© rasailojaraid.com



مولانا محمد حنیف ندوی

# تاثرات

ڈاکٹر شیخ محمد اکرام کی ناگہانی موت سے تصنیف و تالیف کی ایک روایت کو شدید نقصان پہنچا ہے، اس روایت کا تعلق علم و ادراک کے ساتھ دلی لگاؤ اپنے پسندیدہ موضوع کے ساتھ والہانہ شغف اور مطالعہ و تجزیہ کی عظیم صلاحیتوں سے ہے۔

کچھ لوگ لکھنے کے لیے پڑھتے ہیں، یعنی پڑھتے کم اور لکھتے زیادہ ہیں۔ یا یوں کہہ لیجیے کہ نگلتے کم اور اگلتے زیادہ ہیں۔ اور کچھ وہ ہیں جو پہلے پڑھتے سوچتے اور اس کو فکر و ذہن کا جزو بناتے ہیں اور شب و روز کی عرق ریزی، مطالعہ اور تحقیق سے کچھ نتائج ترتیب دیتے ہیں۔ اس کے بعد کہیں جا کر قلم اٹھانے کی جرأت کرتے ہیں اور ان انمول موتیوں کو صفحاتِ قرطاس پر بکھیر دیتے ہیں۔ جو مطالعہ و جستجو کے دوران حاصل ہوتے ہیں۔ شیخ صاحب مرحوم کا شمار اس دوسرے گروہ میں ہوتا ہے، محنت، تلاش اور جگر کاوی جن کا شعار و عادت ہے۔

ان کے نتائجِ فکر سے ممکن ہے بعض حضرات کو دیانتدارانہ اختلاف ہو لیکن اس بارہ میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں کہ وہ جب بھی لکھتے تھے متعلقہ موضوع پر پوری طرح حاوی ہو کر لکھتے تھے۔ چنانچہ ان کی نگارشات کے سرسری مطالعہ ہی سے جو تاثر قائم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ موضوع کے بارہ میں جتنا بھی اور جہاں کہیں مواد مرقوم ہے اس پر اُن کی گہری نظر ہے۔ تاریخ ان کا چہیتا موضوع تھا۔ تاریخ کے تصور سے کئی نکات ابھر کر ذہن و فکر کی سطح پر آتے ہیں۔ اس سے یہ بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ اس سے مراد کسی خاص دور میں پیش آنے والے اہم واقعات کو قلم بند کر لینا ہے۔ اس حقیقت پر بھی تاریخ کا اطلاق ہو سکتا ہے کہ کسی متعین عصر میں حالات و واقعات کی ستم ظریفیوں نے کس طرح کے ردِ عمل کو جنم دیا۔ دوسرے پیرایۂ بیان میں اس چیز کو یوں بھی ادا کر سکتے ہیں کہ اس عصر کے رجحانات اور سرگرمیوں نے اہل دانش [illegible] فکر و عمل پر مجبور کیا۔ تاریخ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ کسی خاص قوم یا عہد کو دیکھ کر کچھ کلیات اور قاعدے دریافت کیے جائیں اور یہ معلوم کیا جائے کہ وہ کون عناصر یا قوتیں ہیں جو تاریخ سازی کا کردار ادا کرتی ہیں۔

شیخ صاحب مرحوم کن معنوں میں مورخ تھے اس کا اندازہ ان کی تصنیفات سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ جہاں تک کسی عہد یا دور کے حالات و واقعات کو ضبط تحریر میں لے آنے کا سوال ہے ظاہر ہے کہ شیخ صاحب مرحوم کو اس سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ فلسفۂ تاریخ بھی ان کے مزاج و ذوق کے اعتبار سے غیر ضروری چیز تھا۔ تاریخ میں ان کے رجحان و میلان کا رخ اس حقیقت کی طرف تھا کہ کسی نہ کسی طرح پاک و ہند میں مسلمانوں کے ایک ہزار سالہ عہد اقتدار میں ان کی تہذیب و ثقافت اور کردار و سیرت کے ان گوشوں کو اجاگر کیا جائے جو حالات و ظروف کی مساعدت یا عدم مساعدت کی وجہ سے ردِ فعل کے طور پر ابھرے اور مسلمانوں کے لیے وجہ افتخار بنے۔ اس میدان میں ان کی علمی کوششیں کہاں تک کامیاب رہیں اور کیونکر ان کی ناموری اور شہرت کا ذریعہ قرار پائیں، اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ "آبِ کوثر"، "موجِ کوثر" اور "رودِ کوثر"، جب پہلی دفعہ چھپیں تو ہاتھوں ہاتھ لی گئیں اور پھر بار بار زیورِ طباعت سے آراستہ ہوئیں اور ہر حلقے میں بہ نظر پسندیدگی اور احترام کی نظر سے دیکھی گئیں۔

ان کے مرتبۂ تاریخ دانی کا ذکر چھڑا ہے تو ان کی علمی تواضع اور دیانتداری کا یہ گوشہ بھی نظروں سے اوجھل نہیں رہنا چاہیے کہ انھوں نے کبھی بھی اپنی تصنیفات کو حرفِ آخر یا مبرا عن الخطا نہیں سمجھا۔ جب بھی کسی پڑھے لکھے شخص نے ان کے اسلوب بیان، مندرجہ واقعات، اور دلائل سے متعلق کوئی مفید مشورہ دیا، انھوں نے نہ صرف اس کو بخندہ پیشانی قبول کیا بلکہ دوسرے ایڈیشن میں اس کے پیشِ نظر اس کی اصلاح کر دی۔ اور اگر یہ دیکھا کہ مشورہ میں جھول ہے تو اپنے دعاوی کی تائید میں حوالوں کا انبار لگا دیا۔ حک و ترمیم، اور اضافہ و توسیع کی اس خو سے بعض حضرات نے ناجائز فائدہ بھی اٹھایا اور ایسی غیر ذمہ دارانہ افواہوں کو اڑایا جن کے متعلق میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں، اور پانچ چھ برس کی اس رفاقت کی بنا پر کہہ سکتا ہوں جو مجھے حاصل رہی کہ یہ افواہیں سراسر بے بنیاد اور غلط ہیں۔ مرحوم کی تصنیفی شہرت اور ناموری سراسر اپنی سالہا سال کی تحقیق و کاوش اور مطالعے [illegible] ہے اور اس میں کسی دوسرے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


کا قطعی کوئی سا جھا نہیں ۔

مرحوم جب پہلے پہل ادارہ میں ڈائرکٹر کی حیثیت سے تشریف لائے تو میں نے محسوس کیا کہ ہم دونوں میں ذوق و مزاج کا بین اختلاف ہے ۔ مرحوم تاریخ پر جان چھڑکتے، یا اس کی فکر و کاوش میں جان کھپانے اور گھلانے تھے اور میں اسلامی فلسفہ کا طالب علم تھا ۔ میرے شغف فکر آموزی اور ان کے ذوقِ تاریخ کی وجہ سے ہم دونوں میں ایک عرصہ تک اجنبیت کی دیواریں حائل رہیں ۔ جو بتدریج گریں اور زائل ہوئیں ۔ میں سمجھتا تھا کہ جب تک مسلمانوں کے فقہی اور فلسفیانہ کارناموں کو اردو میں منتقل نہیں کیا جاتا اس وقت تک ناممکن ہے کہ احیائے اسلام کی تحریک پروان چڑھے ۔ اگر ہمیں ایک نئی تہذیب کی تعمیر کرنا ہے، نئے معاشرہ کو ڈھالنا ہے اور فکر و نظر کو نئے اسلوب عطا کرنا ہے، تو یہ نہایت ضروری ہے کہ پہلے ہم یہ جان لیں کہ ہمارے قافلۂ فقہ و دانش نے، قانون اور فلسفہ کو کہاں چھوڑا، کن بلندیوں تک پہنچایا اور موجودہ علوم کی و تجربات کی روشنی میں ان میں سے ہمیں کیا بڑھانا یا گھٹانا ہے ۔ فقہ کا ترجمہ ہماری سوسائٹی کے لیے ٹھوس اور اسلامی نظریات پر مبنی تہذیبی بنیادیں مہیا کرے گا اور فکر و فلسفہ کی تشریح و وضاحت، قلوب و اذہان کو نئی روشنی اور نئی زندگی بخشے گی اور منزل و راہ کی نئی حقیقتوں کی طرف توجہ دلائے گی ۔ مرحوم شیخ صاحب کی رائے یہ تھی کہ احیائے اسلام کے لیے تاریخ اور بالخصوص اسلامی ہند کی تاریخ کا مطالعہ و تحقیق وہ نقطۂ آغاز، یا مبدا و اصل ہے جس کو جانے اور واضح کیے بغیر معاشرہ کی تعمیر نو کا کام ادھورا رہے گا ۔ ان کا یہ پختہ عقیدہ تھا کہ تاریخ اور صرف تاریخ ہمیں وہ فکری تسلسل عطا کرتی ہے جس کے بل پر کسی معاشرہ کو استواری و استحکام حاصل ہوتا ہے ۔ باتیں دونوں اپنی جگہ صحیح اور بجا تھیں ۔ سوال صرف یہ تھا کہ ہم دونوں ان میں تطبیق کی کیا صورت پیدا کریں ۔ مزاج و ذوق کے اس اختلاف نے دلچسپ نوک جھونک اور بحث و نظر کے کن لطائف کی تخلیق کی، یہ ایک علٰحدہ موضوع ہے جو مستقل توجہ و التفات چاہتا ہے ۔ سرِ دست یہ جان لینا کافی ہے کہ ہم دونوں نے اپنے اپنے موقف میں تھوڑی سی تبدیلی کی ۔ ہم دونوں در اصل ایک طرح کی تجرید کا شکار تھے ۔ وہ ماضی کے پُرامن شبستانوں میں ذہنی تسکین کا سامان ڈھونڈتے تھے، اور میں خیالات و افکار کی اس جنت میں گم تھا جس کی آبیاری غزالی، ابن رشد، ابن خلدون اور علامہ ابن تیمیہ کی جدت طرازیوں نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کی تھی۔ بالآخر طے یہ ہوا کہ ہم دونوں تجرید کے اس خول سے نکلیں اور اس دور کے مسائل و حالات سے پنجہ آزمائی کریں جن سے ہم سب دوچار ہیں۔ میرے متعلق ان کا یہ فیصلہ تھا کہ میں "نوا سیاستِ اسلام" کے نام سے ایک کتاب لکھوں جس میں فرد و معاشرہ کے بارے میں ان تمام شکوک و شبہات کا جائزہ لوں، جن کو جدید علوم و انکشافات نے نژادِ نو کے دل و دماغ میں ابھار دیا ہے۔ اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان کا حل پیش کروں۔ اور خود اپنے لیے انھوں نے جو موضوع پسند کیا وہ یہ تھا کہ مشرقی پاکستان میں جو المیہ رونما ہوا، اس کے تہذیبی و ثقافتی وجوہ کی نشاندہی کی جائے اور دیکھا جائے کہ وہ کیا نفسیاتی اور تاریخی حالات تھے جس نے امتِ مسلمہ کی صفوں میں نفرت و بیگانگی کے بیج بوئے۔ اس سلسلہ میں مرحوم کے سامنے ایک طویل المیعاد منصوبہ تھا۔ ان کا خیال تھا کہ ذرا حالات کا دھارا سنبھلے اور فضا سازگار ہو تو وہ خود مشرقی پاکستان جائیں۔ لوگوں سے ملیں جلیں۔ اس دور کے نشریات کا غیر جانبدارانہ مطالعہ کریں اور پھر یورپ کی لائبریریوں میں گھوم پھر کر مناسب مواد مہیا کریں اور یہ دیکھیں کہ نفسیات، تہذیب، تمدن اور سیاسیات کی کن کڑیوں نے بحیثیت مجموعی اس حادثۂ عظیم کو جنم دیا۔ افسوس! کہ موت نے انھیں اچانک آلیا اور اس طرح ہم ان کے اس تاریخی شاہکار کی تدوین و ترتیب سے محروم رہے۔

---

© rasailojaraid.com